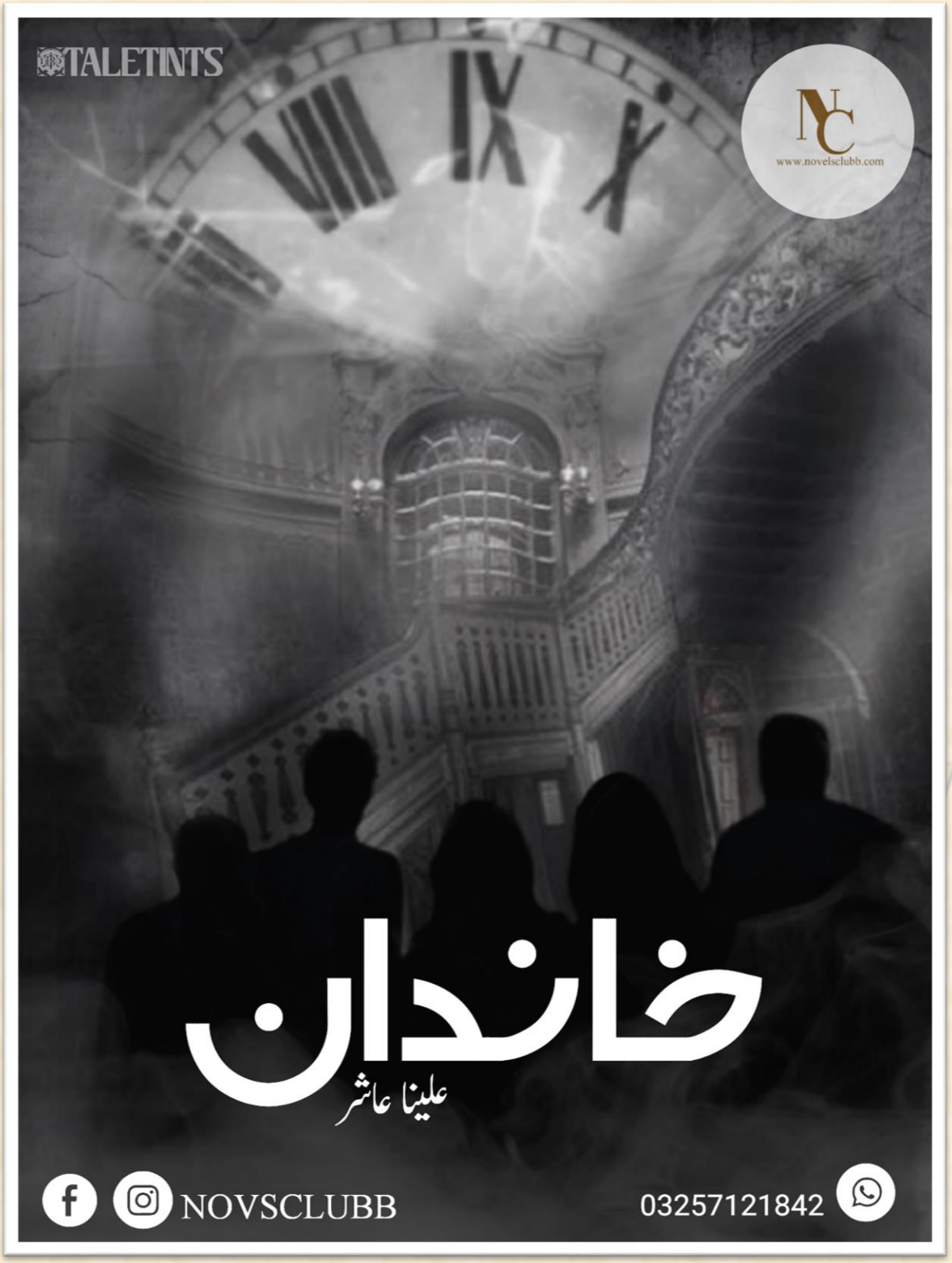
TALETINTS
www.novelsclubb.com
خاندان
علینا عاشر
NOVSCLUBB
03257121842

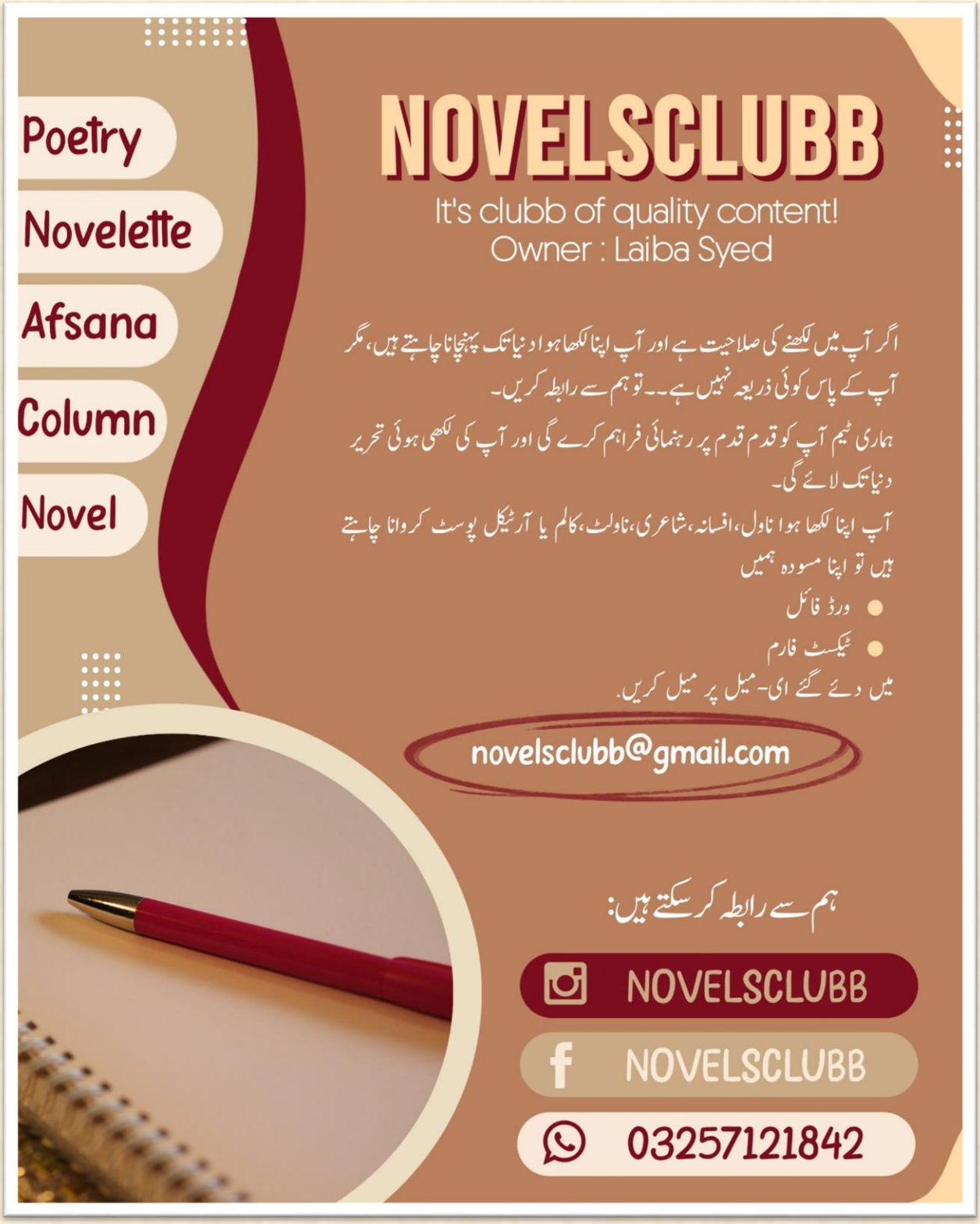
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

خاندان

از قلم

علینا عاشر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "خاندان" کے تمام جملہ حق لکھاری "علینا عاشر" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

خاندان

از قلم علینا عاشر

اماں بس کر دیں خدا کے لیے۔وہ تو اپنی زندگی اپنی مرضی سے جی رہے ہیں مجھے کیوں بات بات پہ ان کا نام لیکر زلیل کرتیں ہیں آپ۔اٹھائیس سال کی گوری چٹی کالی گہری آنکھیں جن میں بھر بھر کے کاجل لگایا ناک میں چھوٹی سی نتھلی پہنی ہوئی ہونٹوں پہ ایک چھوٹا تل رخسار پہ چوٹ کا گہرا نشان جو پتا نہیں بچپن میں کانچ لگنے سے زندگی بھر کے لیے نشان چھوڑ گیا اور کانوں میں گول بالیاں اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتیں تھی۔

وہ کنول اسحاق گھر کی بڑی اور اکلوتی بیٹی جو خوبصورت تو تھی ہی لیکن خاندان سے دبنے والی اس کی ماں اس کو ہمیشہ ہی بات بات پہ جھڑک دیتی تھی یا پھر خاندان کی دوسری لڑکیوں کی تعریفیں کر کے اس کو زلیل کرتی کے فلانی کی بیٹی ایسی ہے تو فلاں کی بیٹی ایسی۔

کنول کی ایک ہی خامی تھی جس کی وجہ سے اس کی خوبصورتی خاندان کی کسی خوشی کے موقع پہ دب جاتی تھی اور وہ تھی اس کا اٹک اٹک کر بات کرنا۔ وہ خاندان میں جہاں بھی جاتی اس کے رشتے دار اس کو بولنے پہ اکساتے کہ وہ بات کرے اور جب وہ بات کرتی تو اٹک اٹک کر اور ان لوگوں کے مزاق کا نشانہ بنتی رہتی۔

گھر آ کے وہ کسی کے سامنے رو بھی نہیں سکتی تھی اور نہ ہی اس کی اسی خامی کی وجہ سے کوئی اس کا دوست بنتا۔

کیا دوستی صرف پرفیکشن کا نام ہے یا دوستی میں خامیاں ڈھونڈی جاتی ہیں کہ یہ تو ایسا ہے میں کیوں اس سے دوستی کروں؟

وہ ہمیشہ سوچتی کہ لوگوں کے پاس ہر فضول کام کے لیے ٹائم ہے کسی کی برائی کرنی ہو یا پھر کسی سے نفرت کا اظہار ایسے لوگ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں۔

کنول اسحاق کہنے کو تو اکلوتی بیٹی تھی لیکن باپ کی وفات کے بعد جب تک اس کی ماں کی دوسری شادی نہیں ہوئی تھی تب تک اس کی زندگی میں کوئی دکھ کوئی طعنے نہیں تھے اس وقت تو ماں بھی اپنی ہی لگتی تھی لیکن روبینہ بیگم کی دوسری شادی کیا ہوئی کنول کو لگا کہ اب وہ کبھی بھی اپنی ماں کے ساتھ پہلے جیسی نہیں رہ پائے گی۔

روبینہ بیگم کی پہلی شادی ان کے کزن اسحاق بیگ سے ہوئی تھی جس سے اللہ نے انکو کنول جیسی نعمت سے نوازا کنول ابھی دس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ اللہ نے اس سے باپ کی شفقت چھین لی اور عدت کے بعد اس کی ماں کی دوسری شادی کروادی گئی جس کے بعد روبینہ اسحاق سے روبینہ فیض بن گئی لیکن کنول نے اب تک اپنا نام کنول اسحاق ہی رکھا کیونکہ بے شک فیض اکرام نے اس کے باپ کی کمی پوری کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کو باپ کی جگہ نہیں دے پائی وہ ہمیشہ سے فیض اکرام کو عزت ہی دیتی آئی کبھی بھی بد تمیزی سے بات نہیں کی۔

کنول کو ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ اس کی ماں نے شادی فیض اکرام سے نہیں ان کے خاندان سے کی ہے وہ پچھلے اٹھارہ سال سے اپنی ماں کو ان کے سامنے دبتا ہوا دیکھتی آئی اور اس کی ماں بھی یہی چاہتی ہے کہ وہ بھی ایسے ہی رہے ان کی جلی کٹی سنتی رہے خود کو جتنا ہو سکے زلیل اور بے عزت کرواتی رہے۔

آج بھی جب وہ بڑے چاچو کے پوتے کے اقیقے سے واپس آئی اپنی ماں ک وہی پرانی باتیں سننے کو ملی۔

"دیکھو بیٹے اس خاندان میں ہم فیض کی وجہ سے ہی ہیں تم ان کی باتیں سن لیا کرو۔ آج دیکھا تھا نائمہ کیسے غرور سے تن کر بیٹھی تھی آخر کو بیٹا دیا ہے اس نے ارخود بھی ڈاکٹر ہے ماشااللہ سے تو دیکھا تھا خاندان والے کیسے اس کے آگے بچھتے جا رہے تھے۔ اس کا بیٹھنا، اوڑھنا، پہننا سب کچھ کتنا الگ ہے کہ بات بھی کرتی ہے تو لاکھوں کڑوڑوں کی لگتی ہے۔ تم بھی زرا اپنا اوڑھنا بولنا درست کرو۔"

کنول نے بے بسی سے اپنی ماں کو دیکھا کہ یہ وہی ماں ہے جو اس کو دس سال تک موم کی گڑیا سمجھ کر پیار کرتی رہی اور باپ کیا مرا لگتا اس دن ماں بھی مر گئی تھی۔

"اماں آخر کب تک میں یہ سب سنتی رہوں گی میری اپنی کوئی زندگی نہیں ہے میں کیا ساری زندگی آپکے شوہر کے خاندان والوں کے مطابق جیتی رہوں گی۔ وہ کیا کرتے ہیں، کیا پہنتے ہیں، کیا بولتے ہیں۔ ان سب سے میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔

میں کنول اسحاق ہوں اسحاق بیگ کی بیٹی مجھے آج بھی یاد ہے میرے باپ نے مجھے یہی سکھایا تھا کہ "کچھ بھی ہو جائے لیکن کبھی کسی اور کے مطابق اپنے آپ کو مت ڈھالنا کیونکہ مجھے اپنا حساب خود دینا ہے لوگ میری طرف داری کبھی نہیں کریں گیں نا ہی وہ میری تعریف کریں گیں بلکہ تعریف کے بعد تزلیل ضرور کریں گیں کہ ایسا کر لیتی تو زیادہ اچھا تھا" یہ میری

زندگی ہے میرا جو جی میں آئے گا میں وہی کروں گی تو مہربانی کر کے مجھے مت مجبور کیا کریں کہ میں بدتمیزی شروع ردوں آپ سے۔اور ہمیشہ کی طرح روبینہ بیگم نے کنول کو ڈانٹ کر چپ کرادیا۔

"جب ماں باپ حد سے زیادہ سختی کریں یا پھر حد سے زیادہ نرمی تو اولاد بدتمیز اور نافرمان ہو جاتی ہے" یہی وجہ ہوتی ہے کہ والدین کو ہمیشہ بچوں کے معاملے میں اعتدال پسند ہونا چاہیے نہ زیادہ سختی نہ زیادہ نرمی۔کنول کو ان اٹھارہ سالوں میں سخت الفاظوں کے سوا کچھ بھی اچھا سننے کو نہیں ملا نا اپنی سگی ماں سے نا خاندان والوں سے۔وہ ہمیشہ سے دبتی آئی تھی سکول کالج میں بھی لڑکیاں اس کے اٹک اٹک کر بولنے پر مزاق اڑاتیں تھیں۔تو کیا وہ ہمیشہ ایسے رہنے والی تھی یا پھر کوئی تبدیلی اس کی زندگی میں آنے والی تھی۔؟

تو تم واقعی جا رہے ہو؟ بلیک اور سرمئی رنگ کے ٹریک سوٹ میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے اٹھائیس سالہ شاویز اپنے جگری یار مکی کو پیکنگ کرتا دیکھ کے کہتا ہے۔تو مکی ایک نظر اس کے ناراض چہرے پہ ڈال کر دوبارہ کام میں لگ جاتا ہے۔

تم بے وفا نکلے یار! شاویز کہتا ہے تو مکّی مسکرا کے نفی میں سر ہلاتا ہے اور کہتا ہے "یہ بات تو سہی کہی تم نے۔ آئی ایم ایگری ود یو۔ مکّی بے وفا ہے۔" وہ قہقہہ لگاتا ہے تو شاویز بھی اس کے ساتھ ہنس دیتا ہے۔

شاویز اور مکّی دونوں بچپن کے دوست ایک ہی سکول اور ایک ہی کالج سے گریجویٹ ہونے کے بعد دونوں نے گاڑیوں کا شوروم کھول لیا۔ دونوں کا کاروباری دماغ ایسا چلا کہ ان کا شوروم بہاولپور شہر کا جانا مانا شوروم بن گیا۔ لوگ آنکھ بند کر کے ان کے شوروم میں داخل ہوتے تھے اور اپنی پسند کی گاڑی لے جاتے تھے۔ شاویز اور مکّی دونوں کے والدین اس دنیا میں نہیں تھے۔ مکّی کو اس کی خالہ نے پال پوس کے بڑا کیا جس کی اپنی اولاد نہیں تھی اور شاویز اپنے دادھیال کے رحم و کرم پہ پلتا رہا۔ جب کچھ کمانے لائق ہوا تو چاچا لوگوں نے اس کے حصے کی زمین دیکر علیحدہ کر دیا اور اس نے وہی زمین بیچ کر کاروبار شروع کر لیا جس سے اس کی روزی روٹی چل رہی تھی۔

مکّی اپنی خالہ کے ساتھ دو مرلے کے مکان میں رہتا تھا جس میں ایک طرف دو کمرے تھے اور دوسری طرف ایک کمرا جس کو مہمان خانہ بنا دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی چھوٹا سا کچن جس

میں آج کل وہ خود کھانا بنا رہا تھا کیونکہ خالہ کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی تو وہ سارا دن بستر پہ اور مکّی شوروم سے جلدی آ کے کھانا بناتا دوائی دیتا اور خالہ کے ساتھ بیٹھا رہتا۔

آج بھی وہ کسی کام کے سلسلے میں ملتان آیا ہوا تھا کہ اس کو فون آیا کہ خالہ کی طبیعت پھر سے خراب ہو گئی ہے اور وہ جھٹ سے بہاولپور روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچا تو خالہ بستر پہ بیٹھی تھیں اور کچن میں سے کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہیں تھیں۔ وہ خالہ سے ملتا ہے اور کچن میں داخل ہوتا ہے جہاں ساتھ والے گھر سے شازیہ بیگم خالہ کا پرہیزی کھانا بنانے میں لگی ہوتی ہیں۔ ایک نظر مکّی کی طرف دیکھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ”شادی کر لے پتر کب تک اکیلا گھومتا رہے گا۔ اب تو سر کے بال بھی سفید ہونے لگ گئے ہیں۔ تیس کا ہو گیا ہے اور ابھی تک کنوارہ گھوم رہا ہے۔ تیری عمر کے مرد تین تین بچوں کے باپ بن چکے ہیں تو بھی کجھ سوچ ہن اپنے بارے اچ۔“ وہ اپنے عورتوں والے انداز میں مکّی کو کہتی ہیں تو وہ مسکرا دیتا ہے اور کچھ سوچ کے گویا ہوتا ہے

”آپکی نظر میں کوئی لڑکی ہے جو خالہ کا اور گھر کا خیال رکھ سکے“ تو شازیہ بیگم دیگچی میں چمچ چلاتی ہوئی مسکراتیں ہیں اور کہتیں ہیں ”لڑکیاں تو بہت ہیں نظر میں لیکن تو بتا کیسی چاہیے

کالی گوری لمبی چھوٹی نوکری والی" وہ ایسے گنوار ہی ہوتی ہیں جیسے سبزی منڈی میں سبزی بیچنے والے پوچھتے ہیں۔ مکّی کہتا ہے "بس جو میرا اور خالہ کا خیال رکھ سکے جو گھر بار جوڑنا جانتی ہو، جسے رشتوں کی احساسیت کا پتہ ہو، جسے گھر داری آتی ہو۔" شازیہ بیگم باؤل میں یخنی نکالتی ہوئی مکّی کی بات سن کے مسکراتی ہے اور کہتی ہے "چل میرا پتر ڈھونتے ہیں پھر اپنے مکّی کی دلہن بھی" کہتے ساتھ ہی کچن سے نکل کر خالہ کے کمرے میں چلی جاتیں ہیں اور مکّی پیچھے سنک میں پڑے برتن دھونے لگ جاتا ہے۔

"کیا کنول تم بھی جب بھی آتی ہو ایسے ہی کونے میں بیٹھی ہوئی ملتی ہو۔ کبھی سلام دعا بھی کر لیا کرو۔ بات کرنے میں تو تم گھنٹا لگا دیتی ہو۔ اس کی چچازاد مریم ہر بار کی طرح پھر سے اس کے سر پہ نازل ہو چکی تھی۔ کنول نے بھی ٹھان لی تھی کہ وہ اسے کوئی جواب نہیں دے گی۔ آج ایک بار پھر وہ خاندان کے ایک فنکشن میں تشریف فرما تھی۔ وہ کبھی نا آتی اگر اس کی ماں اسے باپ کا واسطہ نہ دیتی۔ کنول کی ماں اسے خاندان کے کسی بھی فنکشن میں لانے سے پہلے لڑائی اور باپ کا واسطہ لازمی دیتی کیونکہ اس کے بعد کنول کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا ان کی بات ماننے کے سوا۔

اس کی سب سے بڑی کمزوری یہی تھی جو اس کی ماں کو پتا چل گئی تھی "مرے ہوئے باپ کا واسطہ دیکر بات منوانا" کنول ہمیشہ یہی آکر مات کھا جاتی تھی۔

"ارے کیا ہوا کنول! بولو بھی۔چپ کیوں ہو گئی ہو۔مریم اسے اکساتی ہے لیکن کنول ایک نظر مریم کو دیکھ کر دوبارہ فون میں دیکھنے لگ جاتی ہے۔

"تمہیں کس چیز کا غرور ہے کنول۔بولا تم سے نہیں جاتا۔بریک لگا کے تم بات کرتی ہو ۔شکل بھی کچھ خاص نہیں ہے اور رنگ سے تم ہمارے بیچ جگہ نہیں بنا سکتی اور نخرے ایسے کرتی ہو جیسے تم نور جہاں لگی ہو۔" مریم ہر بار کی طرح اسے طعنہ دیتی ہے۔کنول اس کی طرف دیکھتی ہے، کرسی سے کھڑی ہو جاتی ہے اور جانے لگتی ہے مریم اس کا بازو پکڑ کر روکتی لیکن لمحے میں پورے مجمعے میں چٹاخ کی آواز گونجتی ہے۔ایک لمحہ لگا تھا اور کنول کا ہاتھ مریم کے چہرے پر چھاپ چھوڑ چکا تھا۔

_بسسسس! بہت سن لی بکواس۔میں جیسی بھی ہوں۔تم جیسے دوغلے لوگوں سے کئی بہتر ہوں۔جیسے بھی بولتی ہوں کم از کم تم اور تمہارے خاندان کی طرح کسی کا دل نہیں دکھاتی ۔منہ سے زہر نہیں اگلتی۔زلیل نہیں کرتی۔خبردار! اگر آئندہ ایسی بات بھی کی میری ذات

کے بارے میں آج تھپڑ مارا آئندہ منہ نوچ لوں گی تمہارا۔آئی بڑی۔ہنہہ۔۔۔۔کہتے ساتھ ہی ایک نظر اپنی ماں پہ ڈالتی ہے اور پورے مجمعے کو دیکھتی وہاں سے واک آؤٹ کر جاتی ہے۔ پیچھے سے روبینہ بیگم اپنی بیٹی کا کیا گیا کارنامہ دیکھ کر ہکا بکا رہ جاتی ہے اور بھاگ کر مریم کے پاس جاتی ہے "بیٹا معاف کر دو۔ تمہیں تو پتا ہے کہ وہ کیسی طبیعت کی مالک ہے۔میں اسے سمجھاؤں گی وہ تم سے معافی مانگ لے گی۔" مریم کی ماں سینہ کوبی کرتی روبینہ کا ہاتھ جھٹک دیتی ہے اور کہتی ہے کہ "اگر تمہاری اس ناہنجار بیٹی نے معافی نا مانگی تو کہیں کا نہیں چھوڑوں گی۔ارے ہے کیا وہ۔کیا غلط بولا میری بیٹی نے ایسی ہی ہے وہ بریکوں کے ساتھ بولتی ہے اٹک اٹک کر۔جل مرے کہیں کی۔بے غیرت لڑکی کیسے ہاتھ اٹھایا اس نے میری بیٹی پہ ۔چھوڑوں گی نہیں اس بے غیرت کو میں۔ارے کیڑے پڑیں کنول تجھے۔کسی گاڑی کے نیچے آ کے مر جائے۔مریم کی ماں بنا سوچے سمجھے بد دعائیں دینے لگ جاتی ہے۔اور روبینہ بیگم منہ چھپاتی روتی ہوئی گھر کی طرف چل پڑتی ہے۔

کنول گھر پہنچ کر کمرے میں خود کو بند کر دیتی ہے اور زور زور سے چیختی ہے "اللہ! اللہ پلیز مجھے کن گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔پلیز مجھ میں اتنی برداشت نہیں ہے کہ میں لوگوں کی

باتیں، طعنے برداشت کر سکوں۔اب برداشت نہیں ہوتا۔میری کوئی نہیں سنتا۔اللہ جی پلیز مجھے اتنا مت آزما۔میرے پاس کوئی نہیں ہے جس کو سنا سکوں۔میرے مولا! پلیز میری فریاد سن لے۔وہ رو رو کے اللہ کے سامنے اپنے دل کو ہلکا کرتی ہے۔اسی وقت اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے بجتا ہے تو وہ سرخ آنکھیں اٹھا کے دوازے کی سمت دیکھتی ہے اور کھڑی ہو جاتی ہے۔دوپٹہ کندھے سے لٹک رہا ہوتا ہے۔سرخ آنکھیں، کاجل پھیلا ہوا، بکھرے ہوئے بال اس کی خراب حالت بیان کر رہے تھے۔اگر کوئی احساس انسان دیکھ لیتا تو رو پڑتا۔وہ دروازہ کھولتی ہے تو اس کی ماں آندھی طوفان بنی بنا دیکھے اس مارنے لگ جاتی ہے۔جوتے، ڈنڈہ ہاتھ میں جو چیز آ رہی تھی کنول کو مارے جا رہی تھی۔"کاش تو مر جاتی کنول، کاش میں بے اولاد ہوتی، ان اٹھارہ سالوں میں کوئی خوشی نہیں دی تم نے مجھے۔کبھی سکون نہیں لینے دیا۔ہر بار تمہاری وجہ سے خاندان میں زلیل ہوئی۔میں کبھی بھی جگہ نہیں بنا پائی خاندان میں۔تمہاری وجہ سے۔وہ اسے مار تیں جا رہیں تھیں اور کہتیں جا رہیں تھیں۔کنول سوچ رہی تھی کہ اس کے بعد اس کی ماں اس کی سائیڈ لے گی لیکن وہ آج بھی غلط تھی اور آج کنول اسحاق اکیلی ہو گئی تھی اس کے دل سے ہر احساس ختم ہو گیا تھا۔اس کے ماتھے سے خون کی لکیر نکل کے اس کی قمیص میں جزب ہو رہی تھی۔اور کنول کو لگا کے آج وہ مر

جائے گی کیونکہ اس کی ماں کو آج بھی اپنی سگی بیٹی سے زیادہ دوسرے شوہر کا خاندان عزیز تھا۔آج کنول کو لگا کہ واقعی وہ دنیا میں اکیلی ہے اس کا کوئی نہیں ہے۔

اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور انکھیں بہنے سے انکاری تھیں۔وہ آج ہر احساس سے عاری ہو گئی تھی۔

اس کو اسی حالت میں پھینکتی روبینہ بیگم کمرے سے چلی گئی تھیں۔وہ فیض اکرام کو فون کر کے گھر بلاتیں ہیں۔آج روبینہ بیگم اپنی بیٹی کی زندگی کا فیصلہ کرنے جا رہی تھیں کیا یہ فیصلہ کنول کے لیے ٹھیک ہو گا؟

فیض اکرام گھر پہنچے چونکہ انہیں واقعے کی خبر ہو چکی تھی لیکن پھر بھی انہیں جب یہ پتا چلا کہ روبینہ بیگم نے کنول کو مارا ہے تو وہ بے یقینی سے روبینہ بیگم کو دیکھتے رہے۔انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ ان کی بیوی نے اپنی سگی بیٹی کو مارا ہے۔وہ بھاگ کے کنول کے کمرے میں گئے جہاں وہ بیڈ پہ زخموں سے چور پڑی تھی۔فیض اکرام اس کے پاس گئے۔

"کنول! بچے آپ ٹھیک ہو۔مجھے بلکل امید نہیں تھی کہ۔۔۔

"یہی کہ مجھے مریم پہ ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا نا" وہ فیض صاحب کی بات بیچ میں سے کاٹتی ہے۔

"ارے نہیں بچے! وہ تو آپ نے بلکل ٹھیک کیا میں ہوتا تو بھی ایسا ہی کرتا۔ان لوگوں کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ آپ کی زات پہ کوئی تبصرہ کرے۔"

"اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں پہ تبصرہ انسان کو شوبہ نہیں دیتا۔"

"میں تو اس بات پہ شرمندہ ہوں کہ جوان اولاد پہ ہاتھ اٹھایا۔مجھے بلکل امید نہیں تھی کہ روبینہ ایسا کچھ کرے گیں۔" وہ کنول کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہیں تو کنول ہنکار بھر کر ہنستی ہے اور کہتی ہے "مجھے بھی یقین نہیں تھا" ایک آوارہ آنسو آنکھ سے نکل کر بالوں میں جذب ہو جاتا ہے۔

اگلے دن جب کنول اٹھی تو اس کے جسم کا انگ انگ درد کر رہا تھا ایک تو ماں کی مار کھا کر اور دوسرا دل کا درد۔اس کو لگ رہا تھا کہ کسی بھی وقت اس کی موت ہو سکتی ہے۔کچھ دیر وہ یونہی پڑی رہی۔ابھی اٹھتی کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور فیض اکرام ہاتھوں میں ٹرے لیے اندر داخل ہو رہے تھے اور مسکرا کے کنول کی طرف دیکھا۔کیا بے بسی تھی کہ وہ مسکرا بھی نہ

سکی۔انہوں نے کنول کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ ٹرے رکھی اور کنول کو اٹھایا۔اس کو واشروم کے دروازے کے قریب چھوڑا اور بیڈ پہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ باہر نکلی اور دوپٹے سے ہی منہ صاف کرتی بیڈ کی طرف بڑھی اور فیض صاحب کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ ''مت کریں یہ سب۔میں اتنے احسان نہیں چکا پاؤں گی۔میں بہت کم ظرف ہوں اس معاملے میں۔پلیز''فیض صاحب کچھ دیر اس کو دیکھتے ہیں اور مسکرا کر کہتے ہیں۔''ناشتہ ٹھنڈا ہو جائے گا چائے کے ساتھ دوائی لے لینا درد میں کمی محسوس کرو گی۔''وہ اس کو بیڈ پہ بیٹھاتے ہیں اور ٹرے اس کے سامنے رکھتے ہیں۔

''اور دل کے درد کا کیا کروں!؟''اچانک سوال پہ فیض صاحب نے اس کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں درد لیے ان کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ اوپر کی طرف انگلی کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''دل کا درد ہے اور شفا دینے والی ذات اوپر ہے کیا پتا اس نے کوئی دوا رکھی ہو جو تمہارا درد ختم کر دے اور تمہارے لیے ہر چیز آسان کر دے''فیض اکرام اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہیں اور دوبارہ کہتے ہیں۔''میں شاید کبھی بھی تمہارے باپ کی جگہ نہیں لے سکا لیکن تمہاری ماں کا شوہر ہونے کے ناطے اگر تمہاری زندگی کا فیصلہ کرنا چاہوں تو کیا کرو گی؟

"آپ جو بھی کہیں گیں مجھے منظور ہے۔زندگی نے اب تک اتنے رنگ دکھائے ہیں کہ پہچان ہی نہیں پاتی کہ اب کون سا رنگ دکھانے والی ہے۔"

ناشتے کے بعد وہ دوائی لیتی ہے اور فیض صاحب اس کو سلا کر کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر سپاٹ انداز میں روبینہ بیگم کو اپنا فیصلہ سناتے ہیں۔"کنول میری بیٹی نہ سہی لیکن آپ اس پہ ہاتھ اٹھانے کا کوئی حق نہیں رکھتی ہے۔اس کی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کیا ہے میں نے۔امید ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔کل کچھ لوگ کنول کو دیکھنے آئیں گیں۔امید ہے آپ ان کے سامنے اپنی بیٹی سے اچھا برتاؤ کریں گیں۔"روبینہ بیگم اس سے پہلے کچھ کہتیں وہ بنا ان کی طرف کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔کچھ سوچ کر روبینہ بیگم کنول کے کمرے کی طرف جاتیں ہیں۔دروازہ کھول کے اندر دیکھتیں ہیں۔کمرے میں اندھیرا کیے وہ وجود سو رہا تھا۔وہ اس کے قریب جاتیں ہیں ایک نظر کنول کو دیکھتیں ہیں۔آنکھوں میں نمی آجاتی ہے۔کل جو بھی ہوا وہ کبھی نہ ہوتا اگر وہ خاندان کی بجائے اپنی بیٹی کا ساتھ دیتی لیکن ہائے رے دنیا وہ جب تک اپنی انا اور غرور میں آکر انسان کو زچ نہ کر دے۔دولت اور پیسے کا ڈھونگ رچا کر رشتے نہ خرید لے تب تک سکون نہیں ہے۔روبینہ بیگم کی سوچ بھی وہی ہے کہ اگر خاندان والوں سے بنا کے نہ رکھی تو کل کو ہمیں

کوئی نہیں پوچھے گا ان کو کون سمجھائے کہ کل کو واقعی کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا۔نہ اولاد، نہ رشتے اور نہ ''خاندان والے''۔یہ سب مٹی کی دین ہے اور اسی میں دب جانے ہیں۔

صبح کنول جب اٹھتی ہے تو اس کی ماں کمرے میں داخل ہوتی ہے اور کنول کی طرف دیکھے بغیر اس کے بیڈ پہ اس کا ہی استری شدہ جوڑہ الماری سے نکال کر رکھتی ہے اور کہتی ہیں ''ابھی کچھ ہی دیر میں وہ لوگ آنے والے ہیں تم یہ کپڑے پہن کے نیچے آجانا۔ان سے تھوڑی دیر مل لینا۔''کنول جی امی کہ کر جوڑا اٹھا کر واش روم میں چلی جاتی ہے اور روبینہ بیگم کچن کے کام دیکھنے کمرے سے چلی جاتیں ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ لوگ جو کہ دو عورتیں اور ایک مرد ہوتا ہے پہنچ جاتے ہیں۔سب سے پہلے فیض صاحب ان کا ویلکم کرتے ہیں اور ان کو گیسٹ روم میں بیٹھاتے ہیں اور روبینہ بیگم بھی جوس اور کچھ لوازمات کے ساتھ گیسٹ روم میں داخل ہوتیں ہیں اور ان سب سے ملتیں ہیں۔سلام دعا اور خیر خیریت کے بعد ان مہمانوں میں ایک بڑی عمر کی فربہ جسامت عورت بولتی ہیں کہ ''فیض صاحب بچی دکھادیں تاکہ ہم تسلی کر لیں۔''فیض اکرام مسکرا کر روبینہ بیگم کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ بھی جی باجی کیوں نہیں کہ کر کنول کو لینے چلی جاتی

ہیں۔وہ کنول کے کمرے میں داخل ہوتیں ہیں تو وہ ہلکی نیلے رنگ کا جوڑا پہنے اداس شہزادی بنی بیٹھی ہوتی ہے لیکن جب نظر اٹھا کے اپنی ماں کو دیکھتی ہے تو ہلکا سا مسکرا دیتی ہے۔روبینہ بیگم اس کے سوگوار حسن سے نظریں چرا کر اس کو اپنے ساتھ آنے کا کہتیں ہیں تو وہ خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑتی ہے۔

گیسٹ روم میں داخل ہونے کے بعد کنول سب کو سلام کرتی ہے اور فیض صاحب کے بغل میں بیٹھنے لگتی ہے لیکن وہ فربہ جسامت والی عورت اس کو اپنے ساتھ بٹھا لیتیں ہیں۔"بیٹا یہ فراز کی ہمسائی ہیں مریم کی ممانی شازیہ اور یہ فراز کی خالہ ہیں عارفہ۔اور یہ شازیہ باجی کے شوہر ہیں۔ان ہی کی نسبت رشتہ آیا ہے آپ کا۔"فیض صاحب بغیر کنول کیطرف دیکھے اس کو آنے والوں کا تعارف کرواتے ہیں تو وہ مسکرا کے رہ جاتی ہے۔"ویسے فیض بھائی بیٹی بہت پیاری ہے ماشاللہ سے۔اور آپ نے بتایا کہ سلیقہ شعار بھی ہے۔تو بس اور کیا چاہیے ہمیں ۔میرا فراز تو بس اللہ کی گائے ہے۔ کبھی منہ سے نہیں کہے گا لیکن اب کب تک اکیلا رہے گا میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔آج ہوں کل نہیں۔تو بس اپنے فراز کا فرض ادا کر کے بہن کے آگے سرخرو ہونا چاہتی ہوں۔"وہ عورت نقاہت سے کہتی ہے تو کنول ایک نظر فیض صاحب کی طرف دیکھتی ہے اور عارفہ بیگم کی طرف دیکھ کے مسکراتی ہے "میں اٹک

اٹک کر بات کرتی ہوں آنٹی۔آپ کو یا آپ کے گھر میں مسئلہ تو نہیں ہو گا۔آپ کے خاندان والے کیسے ایک ایسی لڑکی کو قبول کریں گیں جو ٹھیک سے بول بھی نہ پاتی ہو۔"کنول اپنے دل کے خدشات عارفہ کے سامنے رکھتی ہے تو وہ کنول کے سر پہ پیار کرتیں ہیں"بیٹا شکل صورت اور بولنے کے انداز آجکل کے لوگ رشتہ دیکھتے وقت پہلے یہی سوچتے ہیں۔وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ لڑکی گھر داری،سلیقہ شعار اور ذمہ دار بھی ہے یا نہیں"رشتے اگر صورت سے چلتے تو اب تک طلاقیں نہ ہوتیں بچے رل نہ رہے ہوتے۔"ہمیں فیض صاحب نے آپ کے بارے میں سب کچھ پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور مجھے اور فراز کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔اگر اعتراض ہوتا بھی تو آج یہاں نہ بیٹھی ہوتی۔بے فکر رہو۔میرا فراز اللہ کی گائے ہے"کنول کا دل پھر بھی مطمئن نہیں ہوتا۔وہ کچھ دیر بیٹھ کے پھر کمرے میں چلی جاتی ہے اور پھر ان کو خدا حافظ کر کے اپنا فیصلہ فیض صاحب کو سنا دیتی ہے۔"میں جانتی ہوں کہ میں نے کبھی آپ کو اپنے بابا کی جگہ نہیں دی لیکن آج ان کا حق دے رہی ہوں۔اگر آپ کو لگتا ہے کہ فراز اور انکے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں میرے بولنے سے تو آپ ان کو ہاں کر دے۔باقی اللہ کی مرضی کہ وہ میرے لیے کیسے ثابت ہوتے ہیں۔میں آپ کو کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

فیض اکرام اٹھ کر کنول کو سر پہ بوسہ دیتے ہیں اور نرمی سے گلے لگا لیتے ہیں۔ ”مجھے پورا یقین ہے کنول اسحاق اچھی بیٹی ہونے کے ساتھ اچھی بیوی بھی بن کے رہے گی۔ انشااللہ!“

کچھ ہی دنوں میں رشتے کی ہاں ہو جاتی ہے۔ پورے خاندان میں بات پھیل جاتی ہے کہ بیمار عورت کی کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لیے کنول کو بیاہ کر لے جا رہے ہیں۔ ہنہہ! مریم کی ماں اپنے دل کے پھپھولے روبینہ کے سامنے نکال رہی ہوتی ہے۔ ”صحیح کہتے ہیں۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ تمہاری بیٹی صحیح جگہ جا رہی ہے بہت نخرہ ہے نا اسے۔ دیکھنا کیسے منہ کالا کروائے گی تمہارہ۔ شوہر ایسی زبان دراز بیوی کبھی نہیں جھیلتے۔ دوسرے ہی دن گھر بھیج دے گا۔“ اور ایسی کئی باتیں اس کو سننے کو ملیں۔ ڈھولکی والے دن وہ ہلکے کھٹے اور پیلے رنگ کا جوڑہ پہنے پھولوں والے ہلکے زیورات کے ساتھ صحن میں رکھے صوفے پہ بیٹھی تھی کہ پاس بیٹھیں لڑکیاں اس کو سنانے کی خاطر کہتی ہیں۔ ”جب اس کا شوہر بولے گا کہ کپڑے نکال دو۔ اس کے بولنے سے پہلے ہی وہ نہا کر کپڑے بدل چکا ہو گا“ اور ایک دوسرے کے ہاتھ پہ تالی مار کر قہقہ لگاتیں ہیں۔ ان کی باتیں سن کر کنول بھی ہنس دیتی ہے۔ اور آنکھوں میں چھپا ہوا آنسو بھی لڑھک کر گال پہ آ جاتا ہے۔ وہ آنسو صاف کرتی ہے اور بھانت بھانت کی

باتیں سنتی رہتی ہے۔ فنکشن ختم ہونے کے بعد روبینہ بیگم اس کو کمرے میں چھوڑ کر جانے لگتی ہیں ''کل مہندی سے پہلے ہی تمہارہ نکاح ہو گا تو نکاح کا جوڑا بھی رکھ دیا ہے الماری میں۔پہلے نکاح ہو گا پھر رات کو مہندی کا فنکشن کمبائن ہو گا تو وہ جوڑا بھی ساتھ رکھ دیا ہے۔جیولری بی ساتھ ہی ہے ڈبے میں۔اب کپڑے بدل کر سو جاؤ۔تھک جاؤ گی۔''

''آپ تو خوش ہو نگیں نا امی! آخر اب آپ خاندان میں میری وجہ سے شرمندہ نہیں ہو نگیں۔شاید اب آپ کو میری وجہ سے باتیں نہ سننی پڑیں''ہیں ناں امی! وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہیتی ہے تو روبینہ بیگم اس کی طرف دیکھتی ہیں اور کمرے سے نکل جاتیں ہیں۔پیچھے کنول اسحاق آج پھر دل کھول کے رو رہی تھی۔''بابا! آئی مس یو میرے بابا!''

اگلے دن وہ نکاح کے لیے تیار ہو رہی تھی جب میک اپ آرٹسٹ اس کے چہرے کے نشان کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔کنول مسکرا کر کہتی ہے''رہنے دیں ڈھیٹ نشان ہے ۔میک اپ سے نہیں جائے گا۔''میک اپ آرٹسٹ اپنی ہیلپر کی طرف دیکھتی ہے پھر کنول سے کہتی ہے''میم! نکاح ہے یہ نشان گندہ لگے گا۔چہرے پہ۔آپ کے گروم کیا سوچیں گیں۔''کنول ہنس دیتی ہے۔''کوئی بات نہیں اوور میک اپ سے بہتر ہے کہ نشان نظر آئے ۔وہ جو بھی کہیں گیں مجھے کہیں گیں ناں۔آپ پریشان نا ہوں۔آپ فنش کریں

اسے"۔میک اپ آرٹسٹ اپنے کام میں لگ جاتی ہے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ تیار ہو جاتی ہے۔پارلر والی چلی جاتی ہے اور وہ اپنا سراپا آئینے میں دیکھنے لگ جاتی ہے۔سفید شلوار قمیض کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ جس کے بارڈر پہ سرخ ایمبرائڈری کا کام ہوا تھا۔اور پھر میک اپ کر کے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔لیکن ایک چیز جو ان سب کے بیچ میں مس فٹ تھی وہ تھا اس کا چوٹ کا نشان جو اس سب میں عجیب لگ رہا تھا لیکن وہ پھر بھی خود کو دیکھ کر مسکرا دی۔آج کے دن ہر لڑکی کی طرح اس کو بھی شوق تھا کہ اس کی سہیلیاں اس کو ہونے والے شوہر کے نام سے چھیڑیں لیکن یہ شوق بھی بس ارمان بن کے رہ گیا۔اس نے ایک نظر اپنے خالی کمرے پہ ڈالی اور اپنی ہی سوچ پہ خود مسکرا دی۔دوسری طرف روبینہ بیگم بیٹی کو چھوڑ کر خاندان والوں کی خوماشدیں کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔کچھ ہی دیر میں نکاح کا شوشہ شروع ہو گیا۔فیض صاحب نکاح خواں کے ساتھ کنول کے کمرے میں داخل ہوئے اور نکاح کی رسم کی۔کچھ ہی دیر میں وہ کنول اسحاق سے کنول فراز بن چکی تھی۔فیض صاحب کے علاوہ اسے کسی نے مبارک تو کیا گلے سے لگا کے دعا بھی نہیں دی۔اس کی ماں کچھ دیر بعد اس کو کمرے سے باہر لا کر دولہے کے ساتھ صوفے پہ بٹھا دیا۔اس کے خاندان کی ایک عورت کہتی ہے "ارے دلہے میاں! ہماری بیٹی زرا شوخ طبیعت کی ہے۔دھیان سے رہنا۔" کنول کو

خدشے ہونے لگتے ہیں کہ اب کوئی ایسی بات ہو گی کہ تماشہ نالگ جائے۔ایک اور عورت کہتی ہے ”بیٹا بہت ہی کم بولتی ہے۔بولتی کہاں ہے۔بریک لگتی ہے اس کی ہر دو منٹ میں۔“ وہ اس کے اٹک اٹک کر بولنے پہ چوٹ کرتیں ہیں۔خاندان کی عورتیں کہیں نا کہیں اس کی تزلیل کر رہی تھیں اس کے نئے نویلے شوہر کے سامنے اور بے بس سی بیٹھی اپنے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔کنول نے گھونگٹ میں سے اپنی ماں کو دیکھا جو نائمہ کو کولڈ ڈرنک پیش کر رہی تھیں۔بے بسی ہی بے بسی تھی اس کی ماں بھی اور کنول بھی۔خاندان کی عزت زیادہ ضروری ہے بیٹی سے بھی۔عارفہ بیگم کنول کو پیار کر کے نہیں تھک رہی تھیں اور وہی خاندان کی کچھ عورتیں جل کے کوئلہ ہو رہی تھیں۔تبھی مریم کی ماں مجمعے سے اٹھی اور فراز کا ہاتھ تھام کر کہتی ”بیٹا معاف کرنا بہت ہی بدلحاظ لڑکی ہے۔ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتی۔زبان تو اللہ توبہ کہ بڑے چھوٹے کو نہیں دیکھتی بس تم زرا کس کے رکھنا اس لڑکی کو۔بہت ہی چالاک ہے یہ۔اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔“ وہ تو اپنا بدلہ کہ اٹھ کھڑی ہوئی لیکن کنول کو لگا کہ بس اب اور بچہ ہی کچھ نہیں ہے۔زمین پھٹے اور وہ اس میں دب کہ مر جائے۔اتنی تزلیل تو شاید اس کی آج تک نہیں ہوئی۔فراز نے ایک نظر ساتھ بیٹھی لڑکی کو

دیکھا جو دھواں چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس کے کپڑے زیادہ سفید ہیں کہ چہرہ۔

اس سے پہلے کہ کوئی اور تماشہ ہوتا کنول کو اس کو کمرے میں بھیج دیا گیا اور فراز بھی اپنی خالہ اور دوسرے کچھ لوگوں کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

کمرے میں آکر وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔اس کو جو تھوڑی بہت خوش فہمی تھی کہ شادی کے بعد یہ خاندان کا جھنجھٹ نہیں ہو گا لیکن یہ کیا ہوا تھا۔اس کے شوہر کے سامنے اس کی عزت دو ٹکے کی ہو گئی تھی تو کیا اس کا شوہر اب اسے خاندان کے طعنے دے گا۔یہ سوچ سوچ کر اس کے رونے میں اضافہ ہو رہا تھا۔

مہندی کا فنکشن بھی کسی طرح گزر گیا۔اس کو نہ کھانے کا ہوش تھا اور نہ ہی پینے کا۔کنول کو ایک ہی پریشانی تھی کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ اب کیا کرے گا۔۔

دوسری طرف عارفہ فراز کو کمرے میں بلا کر سمجھا رہی تھیں۔"بیٹا خاندان میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔لیکن تم کبھی بھی کنول کو اس کے خاندان کا طعنہ نہیں دو گے۔شاز یہ بتا رہی تھی کہ کنول کو اس خاندان نے کبھی قبول ہی نہیں کیا کیونکہ وہ روبینہ کے پہلے شوہر سے ہے۔وہ بہت پیاری بچی ہے۔تم اس پہ آتے ہی کوئی زمہ داری بھی نہیں ڈالو گے۔میری تو بلکل بھی

نہیں۔وہ اس گھر میں بیٹی بن کر آرہی ہے نا کہ ملازمہ۔اچھا بن کے رہو گے تو دل و جان سے عزت کرے گی۔عورت بہت نازک ہوتی ہے۔عزت دو گے تو جان بھی دے دے گی لیکن اگر کبھی اونچ نیچ بھی ہو جائے تو خود تک رکھنا۔میاں بیوی کا رشتہ نازک رشتہ ہوتا ہے ۔رشتے کی بنیاد پیار محبت اور اعتماد سے ہو تو کوئی بھی نہیں توڑ سکتا چاہے۔وہ لڑکی بری نہیں ہے وہ بہت نازک ہے اور لوگ نازک چیزوں کو توڑنے میں وقت نہیں لگاتے بلکہ اس کو جلدی توڑ دیتے ہیں۔

فراز اثبات میں سر ہلاتا ہے ”جی خالہ کچھ لوگ نفرت میں بھول جاتے ہیں اس انسان پہ کیا گزرتی ہے میں تو حیران ہوں کہ ان کی والدہ نے کچھ بھی نہیں بولا اس عورت کو۔“ عارفہ کہتی ہے ”بیٹا وہ بیچاری بھی کیا بولے کہ جب سے شادی ہوئی خاندان والوں کو خوش کرنے میں لگ گئی اور اس چکر میں بیٹی پستی رہی۔“ فراز سرد آہ بھر کر رہ جاتا ہے۔

اگلی صبح جب وہ اٹھتی ہے تو روبینہ بیگم کمرے میں اس کی بارات کا جوڑا اور باقی سامان رکھ رہی ہوتیں ہیں۔اس کے ساتھ جانے والے سوٹ کیس بھی ایک ساتھ رکھتی ہے۔وہ اپنی ماں کو

دیکھتی ہے۔یہ وہی چہرہ ہے جو اپنی معصومیت کے زیر اثر خاندان کی چالاکیوں کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں اور پتا نہیں کب تک خاندان کے لوگ ان کی معصومیت کا فائدہ اٹھائیں گیں۔وہ بیڈ سے اٹھ کر اپنی ماں کے نزدیک آتی ہے اور انکے گلے لگ جاتی ہے۔"آئی لو یو امی! میں آپ کو کبھی بھی شرمندہ نہیں کرواؤ گیں۔میں اچھی بیٹی تو نہیں بن سکی شاید لیکن اچھی بیوی بن کے دکھاؤں گی۔"اس کی ماں اپنی بیٹی کی طرف دیکھتی ہے اور اس کو گلے سے لگا کے ماتھا چومتی ہیں۔"ماں بیٹی کا رشتہ بھی خوبصورت ہوتا ہے۔بیٹی دل کی بات نہ بھی کہے تو ماں بنا بولے سمجھ جاتی ہے۔ماں تو ہوتی ہی بھولی اور معصوم ہے۔ایک عظیم رشتہ جو اپنے طریقے سے اولاد کو دنیا کے سرد گرم سے بچاتی ہے۔"

وہ دلہن بنی خوبصورت لگ رہی تھی آج تو اس کا نشان بھی ڈھیر سارے میک اپ کے نیچے دب گیا تھا۔ہاتھوں میں بھر بھر مہندی اور چوڑیاں پہن کر وہ کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔وہ فراز کے کمرے میں خوبصورت تاج والے بیڈ پہ پورے حق سے بیٹھی تھی۔فراز کی خالہ اسے کمرے میں بیٹھا کے چلیں گئی تھیں اور وہ اب یہ سوچ کے پریشان ہو

رہی تھی کہ فراز کو جو باتیں مریم کی ماں نے بولیں تھیں وہ کیا ریکٹ کرے گا۔ کیا وہ یہاں بھی سکھ کا سانس نہیں لے سکے گی۔ کیا اس کی شادی شدہ زندگی کبھی آسان نہیں ہو گی۔ یہ سوچ اسے پریشان کیے جا رہی تھی۔ پریشانی میں وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو چٹخانے میں لگ گئی تھی۔

"کبھی لوگ آپ کی زندگی کا ایسا فیصلہ کر جاتے ہیں کہ آپ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ لوگ زیادہ تر خاندانی ہوتے ہیں"

کلک کی آواز کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھلتا ہے اور فراز اندر داخل ہوتا ہے اور کمرے کو اندر سے کنڈی لگا لیتا ہے۔ وہ چند قدم لیکر بیڈ کی سیج ہٹا کر کنول کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ اس کی ہر حرکت کنول کو نئے سرے سے پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" فراز پہل کرتا ہے

"وعلیکم اسلام" وہ واپس سلامتی بھیجتی ہے۔

"کھانا کھایا آپ نے" فراز دوبارہ سوال کرتا ہے۔

"نہیں" وہ یک لفظی جواب دیتی ہے۔

فراز کچھ یاد آنے پر کرتے کی جیب سے ایک ڈبی نکالتا ہے اور اس میں سے کوکی نکال کر کنول کی طرف بڑھاتا ہے۔

"یہ میری ماں کی ہے۔پرانی ہو گئی تھی تو نئی کروا کر آپ کو دے رہا ہوں۔میرے پاس یہی نشانی ہے جو میں چاہتا تھا کہ میری بیوی پہنے گی۔میری خواہش ہے کہ آپ یہ پہنیں۔اگر آپ کو منہ دکھائی نہیں پسند آئی تو ہم کچھ دن تک کوئی اور چیز پسند کر لیں گیں۔زبردستی نہیں ہے کہ آپ یہی لیں لیں۔" وہ وضاحت دیتا ہے۔

"بہت پیاری ہے۔میں پہنوں گی۔" کنول لے لیتی ہے اور ناک کی نتھلی اتار کر فراز کی دی ہوئی کوکی پہن لیتی ہے۔فراز کنول کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا ہوتا ہے۔وہ کوکی کنول کی ناک میں ایک موتی کی طرح چمک رہی ہوتی ہے۔وہ فراز کی طرف دیکھ کے کہتی ہے "کیسی لگ رہی ہے" فراز اس کی کوکی کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھوتا ہے تو دونوں کے دل ایک پل کے لیے زور سے دھڑکتے ہیں۔"بہت خوبصورت" فراز جواب دیتا ہے تو کنول مسکرا کے منہ نیچے کر لیتی ہے۔

فراز کنول کو کپڑے چینج کرے کا کہتا ہے اور خود بھی کپڑے چینج کرنے کے لیے ساتھ والے کمرے میں چلا جاتا ہے۔کنول اپنا لہنگا سنبھالتی الماری سے سادہ سرخ رنگ کا جوڑا نکال

کے واش روم میں چلی جاتی ہے۔کچھ ہی دیر میں وہ بھاری لہنگے اور جیولری سے آزاد منہ دھو کے کمرے میں داخل ہوتی ہے تو فراز بیڈ کے کنارے بیٹھا ہوتا ہے۔وہ ایک نظر کنول کی طرف دیکھتا ہے اور ہاتھ پکڑ کے کچن کی طرف لے جاتا ہے۔"اب نفاست پسند ہوں تو کھانا کمرے میں نہیں کچن میں ہی کھائیں گیں تاکہ تازے دھو کر جائیں" بات مکمل کر کے ہنس دیتا ہے۔کنول کی بھی فراز کی بات سن کر ہنسی نکل جاتی ہے

،

اگلے دن ولیمے کی رسم کے بعد اس کے خاندان والے اس کی منہ دکھائی پہ طنز کر رہے ہوتے ہیں۔"یہ بھی کوئی دینے کی چیز ہے۔ارے تین ہزار میں نبٹا دیا کنول کو لڑکے نے۔بندہ کوئی پہلا تحفہ تو مہنگا دیتا ہے۔بھائی کنول تمہارا شوہر تو غریب نکلا۔" یہ کہنے والی نائمہ جو اس کے تایا کی بڑی بہو ہوتی ہے۔کنول اس کی طرف دیکھتی ہے جو زیوروں سے لدی ہوئی دکان سے کم نہیں لگ رہی تھی۔"جی بھابھی صحیح کہا آپ نے۔بس وہ کیا ہے ان کی ماں کی نشانی تھی تو مجھے دے دی۔آپ نے تو اپنی ماں کی نشانی ملازمہ کو دے دی تھی۔بات پیسے غربت کی نہیں ، بات احساس کی ہوتی ہے۔میرے شوہر نے مجھے جو بھی دیا۔الحمد للہ بہت ہی خوبصورت تحفہ دیا۔مجھے پسند آیا یہی بہت ہے۔میں نے آپ سب کو پسند کروا کے کون سا میڈل جیت

لینا ہے وہ بھی مجھے اندازہ ہے۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔اینٹ کا جواب پتھر سے دینا سیکھ لیا تھا۔اور دروازے کے باہر کھڑا فراز کنول کی بات سن کر مسکرا دیا۔دروازے کی اوٹ سے وہ نائمہ کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھ کے اپنی ہنسی دباتا ہے۔

شادی کے بعد کی پہلی دعوت فراز کے دوست شاوی نے ان کو ایک بہت بڑے ریسٹورنٹ میں دی۔"ارے بھابھی شرمائیں نہیں۔چلیں آج آپ آرڈر کریں۔ہم بھی وہی کھائیں گیں۔کیوں مکّی" وہ فراز کو کہتا ہے تو وہ بھی اثبات میں سر ہلاتا ہے اور کنول کھانے کا آرڈر دیتی ہے۔ابھی وہ تینوں باتیں کر رہے ہوتے ہیں کہ کنول کی کزن مریم پہنچ جاتی ہے۔"کیا بات ہے کنول!اتنے مہنگے ریسٹورنٹ میں تم آئی ہوئی ہو۔بل کے پیسے تو ہیں نا تمہارے شوہر کے پاس۔" وہ فراز کی طرف دیکھ کے طنز کرتی ہے۔"محترمہ آپ نے بل دینا ہے جو آپ کو مرچیں لگ رہی ہیں۔" وہ بھی فراز تھا۔کہنے کو تو اللہ کی گائے لیکن اللہ کی گائے کو کب دورہ پڑ جائے یہ بھی اللہ ہی جانتا تھا۔مریم تو بے عزتی کروا کے چلی گئی کنول خوامخواہ میں شرمندہ ہو گئی۔فراز نے ٹیبل کے نیچے سے اس کے ہاتھ دبا کے تسلی دی۔

آج وہ کچن میں خالہ کا پرہیزی کھانا اور ساتھ میں فراز کی پسندیدہ سبزی بنا رہی تھی۔ دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ دوپٹہ اوڑھے دروازے پہ پہنچ کر دروازہ کھولتی ہے تو سامنے فیض اکرام ہاتھوں میں فروٹ اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں لیے کھڑے تھے۔ ''ارے! آپ آئیں نا باہر کیوں کھڑے ہیں۔'' وہ انہیں سلام کے بعد اندر آنے کا کہتی ہے تو اس کے سر پہ پیار سے بوسہ دیتے ہیں۔ اور شاپر تھما دیتے ہیں۔ ''آج بیٹی سے ملنے کا دل کر رہا تھا تو سوچا مل آؤں۔ کیسی ہو؟'' وہ اپنے دل کی بات کنول کو بتاتے ہیں۔ تو مسکرا کے انکے گلے ملتی ہے۔ ''میں بلکل ٹھیک ہوں الحمداللہ۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔؟'' وہ سوال کرتی ہے۔ ''میں بھی ٹھیک ہوں بیٹے۔'' کچھ دیر بیٹھ کر وہ گھر چلے جاتے ہیں۔ اور وہ کھانا بنا کے کمرے میں تیار ہونے چلی جاتی ہے۔ کیونکہ فراز کے گھر آنے کا ٹائم ہو گیا تھا۔ اس کی شادی جب سے فراز سے ہوئی اس کی زندگی میں روز ہی مسکرانہ لکھ دیا گیا تھا۔ فراز کی شکل میں ایک دوست مل گیا تھا۔ شوہر کے ساتھ ساتھ وہ دوستی کا فرض بھی بخوبی نبھا رہا تھا۔

رات کو وہ دونوں بیڈ پہ بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ فراز نے کنول کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھا ہوتا ہے اور کنول نے اپنا سر فراز کے کندھے پہ رکھے اس کو آج کی روداد سنا رہی ہوتی ہے۔ ''بس یہی کچھ کیا۔ یہ تو روز کی باتیں ہیں۔ کوئی نئی بات بتائیں۔'' فراز کہتا ہے تو وہ ناراض نظر اس کی طرف دیکھتی ہے۔

فراز اس کی شکل دیکھ کے ہنس دیتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ چھڑا کے ناراضگی کا اظہار کرنے لگ جاتی ہے۔ ''میں آئندہ بات ہی نہیں کروں گی۔ پوچھتے بھی خود ہیں اور پھر یہ الگ کہتے ہیں۔ میں آئندہ کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' فراز ایک شوخ جسارت کرتا ہے تو کنول کا چہرہ خون چھلکانے لگتا ہے اور وہ فراز کو سینے پہ تھپڑ مار کر بستر میں گھس جاتی ہے تو پیچھے فراز ایک جاندار قہقہ لگاتا ہے۔ ''ارے سنیں تو! یار میں مزاق کر رہا تھا۔ اچھا چلیں باتیں کرتے ہیں۔ میری تو سن لیں کہ میں نے کیا کیا آج!''؟ وہ کہتا ہے تو کنول بستر میں سے منہ نکال کر اس کی طرف دیکھتی ہے اور کہتی ہے۔ ''مجھے پتا ہے آپ سارا دن شاویز بھائی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور پھر گھر واپس آجاتے ہیں۔ بس!'' اور دوبارہ بستر میں گھس جاتی ہے۔ ''ارے بیوی! میں بھی تو آپ کی روز کی وہی باتیں سنتا ہوں۔ مجھ غریب کی بھی سن لیا کریں کبھی کبھی۔'' فراز اس کو بولنے پہ اکساتا ہے۔ تو وہ بستر سے منہ نکال کر اس کو چڑاتی ہے۔ فراز کا جاندار قہقہ نکلتا ہے تو

کنول بھی ہنس دیتی ہے۔وہ دونوں چٹ پٹی نوک جھونک کرتے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔فراز نے کبھی اس کو کسی بھی بات کا طعنہ نہیں دیا۔فراز ہمیشہ کہتا"کنول تم کتنا پیارا بولتی ہو۔دل کرتا ہے تمہیں سنتا رہوں۔میں جب بھی تمہارے ساتھ بات شروع کرتا ہوں۔مجھے پتا ہوتا ہے اب تم بولو گی اور میرا وقت،میرا دن بہت ہی اچھا گزرنے والا۔تمہارا ہر انداز نرالا ہے۔تم خود نرالی ہو۔سب سے الگ صرف میری۔میری کنول ہو تم۔"فراز کا اظہار کنول کو نئے سرے سے فراز کا گرویدہ بنا دیتا۔وہ فراز کو کہتی تو نہیں تھی لیکن ایک ہی لائن میں وہ فراز کو اٹھا کے آسمان پہ بٹھا دیتی۔"آپ میرا خاندان ہو فراز۔ایک پیارا خاندان!"

اور آج واقعی اس کے دل کے درد کی دوا فراز کی شکل میں مل گئی تھی۔اس نے ایک خاندان اگر چھوڑا تھا تو فراز جیسے خوب سیرت انسان کی شکل میں خاندان مکمل ہو گیا تھا۔

_____ختم شد_____

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842